اسلامی تصورِ سیاست اور جماعت اسلامی پاکستان کا تنظیمی ڈھانچہ

Islamic Concept of Politics and Organizational Structure of Jamā'at-e-Islāmī, Pakistan

Dr. Muhammad Abid [1]
Dr. Khalid Mahmood [2]

Abstract:

Jammat-e-Islami is the famous religious party of Pakistan which was founded before the creation of Pakistan. Since the establishment of Pakistan, the party remained involve in the politics in various shapes. Jammat-e-Islami always conducted the intra party elections which are considered the beauty of democracy. The party has been claiming that everyone can get the membership as a worker weather he or she belongs to any sect of Islam. However, in practice the reality is opposite to it. Jamaat-e-Islami claims that it is the really democratic party in the country; but on the other hand, the party obliges its workers to live their lives according to the principles of the party. The leaders of Jammat-e-Islami promised to bring democracy in line with Islamic principles in Pakistan. On the other hand, they adopted the policies of reconciliation through supporting the martial rules. The common citizens did not like Jamaat-e-Islami as a political party in Pakistan. They liked this party as they had hope from Jammat-e-Islami to reform the society from the social evils for the protection of citizens. The internal conflicts were also visible in the party and sometime these differences were so great that many leaders had to leave the party.

Keywords: Political, Democracy, Leadership, Intra Party, Islamization, Parliament

تعارف:

پاکستان میں سیاسی و جمہوری ایوانوں سے لے کر ٹیلی ویژن پروگراموں اور حتیٰ کہ گلی کوچوں کی سطح پر اور عوام سے خواص تک کے درمیان ہونے والے مباحث میں ایک جملہ اکثر سماعتوں سے ٹکراتا ہے کہ پاکستان کی سیاسی جماعتیں ملک میں جمہوری نظام کی عملداری کی بات تو کرتی ہیں لیکن ان کے اپنے اندر جمہوری قدروں کا فقدان ہے۔ گویا یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ پاکستان کی سیاسی جماعتوں میں بحیثیت مجموعی داخلی جمہوریت کی کمزور روایات پائی جاتی ہیں۔ لہٰذا زیر نظر تجزیاتی مقالہ تحریر کرتے وقت سوال یہ نہیں تھا کہ پاکستان کی سیاسی جماعتوں میں داخلی اعتبار سے جمہوریت ہے یا نہیں؟ بلکہ سوال یہ تھا کہ جمہوریت کے نہ ہونے کی وجوہات کیا ہیں؟ لہٰذا اس سوال کے جواب کے حصول کے لیے مذہبی سیاسی جماعت یعنی جماعت اسلامی کا انتخاب کیا گیا۔ جماعت اسلامی پر اس مقالہ کو تحریر کرنے کا محرک پاکستان میں 2012ء، 2015ء اور 2016ء میں سیاسی جماعتوں میں داخلی جمہوریت کے مسئلہ پر شائع ہونے والی تین تحقیقاتی رپورٹیں ٹھہریں۔ پہلی رپورٹ Lahore University

[1] Associate Professor of Pakistan Studies, Liaquat Govt. Degree College for Boys, Malir, Karachi, Pakistan.
[2] Lecturer, Department of Pakistan Studies, Allama Iqbal Open University, Islamabad, Pakistan (khalidmahmood_research@yahoo.com)

of Management Sciences (LUMS) نے 2012ء میں شائع کی۔ جبکہ بقیہ دو رپورٹس Pakistan Institute of Legislative Development and Transparency (PILDAT) نے 2015ء اور 2016ء میں لگاتار شائع کیں۔ ان میں سے مؤخر الذکر دو رپورٹوں میں داخلی جمہوریت کے اعتبار سے جماعت اسلامی کو پاکستان کی آٹھ بڑی پارلیمانی جماعتوں میں اول درجہ دیا گیا تھا۔ چونکہ عمومی طور پر پاکستان میں سیاسی جماعتوں میں داخلی جمہوریت کی توانا روایات نہیں ہیں، لیکن ان رپورٹوں کے مطابق جماعت اسلامی ان کے برعکس مثال پیش کرتی ہے۔

زیر نظر تحقیق میں جماعت اسلامی کے تنظیمی ڈھانچے کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے، جس میں جماعت میں ہونے والے داخلی انتخابات، اعلیٰ سطح سے علاقائی سطح تک کی قیادت کا چناؤ اور فیصلہ سازی کے طریقہ کار کا جائزہ لیا گیا ہے۔

پارٹی قیادت:

جماعت اسلامی پاکستان کی اُن چند سیاسی جماعتوں میں سے ایک ہے جس میں جماعت کے اندر انتخابات باقاعدگی سے منعقد کیے جاتے ہیں۔ جماعت کی ہر سطح کی قیادت باقاعدہ طور پر منعقد کیے گئے انٹرا پارٹی انتخابات کے ذریعے منتخب ہو کر آتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک رہنما اگر اپنی مقبولیت کے سبب کئی برسوں یا دہائیوں تک بھی امیر کے منصب پر براجمان رہا ہو تب بھی اُسے اپنی انتخابی مدت پوری ہونے پر پارٹی کے اندر دوبارہ انتخاب کے عمل سے گزر کر منتخب ہونا ہوتا ہے۔ تاہم ایک بار امیر منتخب ہونے کے بعد جماعت کے ہر رکن اور عہدہ دار پر امیر کی اطاعت لازم ہے۔ چونکہ حد سے زیادہ اطاعت کا تقاضا اور لامحدود اختیارات، کسی بھی ادارے میں آمریت کو جنم دینے کا سبب بنتے ہیں، لہٰذا امیر جماعت اسلامی کی غیر مشروط حمایت پر اور اُن کو حاصل لامحدود اختیارات پر کیے گئے ایک سوال کے جواب میں جماعت اسلامی کے ایک اہم رہنما محمد حسین محنتی صاحب نے کچھ اس طرح جواب دیا:

امیر کی اطاعت کے حوالے سے ہم یہ مانتے ہیں کہ یہ "اطیعو اللہ واطیعو الرسول واولی الامر منکم" یعنی اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو اور جو تم پر حاکم بنایا گیا ہو اُس کی۔ یہاں حاکم کی اطاعت اللہ اور رسول کی اطاعت کے ساتھ مشروط ہے۔ اگر وہ اُس کے مطابق فیصلہ کرتا ہے تو اُس کی اطاعت ہے۔ لہٰذا ہماری امیر کی اطاعت قرآن و سنت کے مطابق ہے۔[3]

محمد حسین محنتی کے مطابق جماعت اسلامی میں جماعت کے نظریے اور قیادت سے وفاداری کا معیار نہ تو فوجی تقاضوں کے تحت ہے جہاں انکار کی صورت میں منکر لائق تعزیر ٹھہرایا جاتا ہے اور نہ ہی یہ نظم کسی سلسلہ تصوف میں پیر و مرشد اور مریدوں کے روحانی رشتوں کی مانند ہے۔ اس لیے اگر کوئی رکن اس رشتے میں کمزوری محسوس کرے تو وہ حلقہ ارادتمند سے نکل کر کسی دوسرے دائرے میں باآسانی داخل ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ جماعت اسلامی کو چھوڑنے والوں کی ایک طویل فہرست ہے جن میں مولانا امین احسن اصلاحی سے ڈاکٹر اسرار احمد، مولانا کوثر نیازی، نعیم صدیقی اور ارشاد احمد حقانی جیسے رہنما شامل ہیں۔

[3] انٹرویو: محمد حسین محنتی، نائب امیر جماعت اسلامی، صوبہ سندھ۔

نظریہ

جماعت اسلامی صفِ اول کی اسلامی جماعت ہے۔ جسے جماعت کے بانی مولانا مودودی کی فکر و سوچ سے ایک مضبوط نظریاتی اساس حاصل ہوئی۔ مولانا مودودی ریاست، حکمرانی، جمہوریت، خلافت اور دیگر سیاسی معاملات پر مخصوص نظریات رکھتے تھے جو اُن کی متعدد تحریروں میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ بس یہی نظریات جماعت اسلامی کے نظریاتی ستون ہیں۔

سیکریٹیریٹ اور آفس ہولڈر

جماعت اسلامی کا مرکزی دفتر لاہور میں منصورہ کے مقام پر واقع ہے۔ یہ دفتر کثیر الجہتی ہے جہاں ایک برادری کی بنیادی ضروریات کی تمام سہولیات دستیاب ہیں۔ یہیں جماعت کے کچھ اہم رہنماؤں کے گھر بھی ہیں۔ صوبائی دفاتر کراچی، پشاور اور کوئٹہ میں واقع ہیں۔ جماعت اسلامی میں صوبائی، ڈویژن اور ڈسٹرکٹ کی سطح پر مقامی تنظیم سازی موجود ہے۔ ان میں سے ہر ایک آرگنائزیشن کا سربراہ 'امیر' کہلاتا ہے اور یہ مقامی باڈی ایک کونسل اور کمیٹی کے ذریعے تشکیل پاتی ہے۔ جماعت اسلامی کی سب سے بنیادی اکائی 'مقامی جماعت' یعنی لوکل پارٹی ایک سے پانچ اراکین پر مشتمل ہوتی ہے۔

ذیلی ادارے اور عضویے

جماعت اسلامی کے متحرک ترین ذیلی بازوؤں میں تنظیم اساتذہِ پاکستان، پاکستان اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن، پاکستان کسان بورڈ، نیشنل لیبر فیڈریشن، جماعت اسلامی خواتین اور اسلامی جمعیتِ طلبا شامل ہیں۔ جماعت اسلامی کا طلبا ونگ یعنی اسلامی جمعیتِ طلبا پاکستان کی جامعات میں اپنی activism کی وجہ سے جانا جاتا ہے۔ اسے ایک طرح کی مشنری تحریک کے طور پر لیا جاتا ہے جو جماعت کے اسلامی نظریات کو طلبا میں پھیلانے اور اپنے طریقے سے اُنہیں پیشہ ور بنانے اور ریاست کے کاموں میں مختلف حیثیتوں (capacities) میں موقع ملنے پر خدمات انجام دینے کے لیے تیار کرنے کا فریضہ انجام دیتی ہے۔[4]

پالیسی اور فیصلہ سازی کا طریقہ کار

مرکزی سطح پر جماعت اسلامی کا سب سے بڑا عضویہ جنرل اسمبلی ہے جو کہ جماعت اسلامی کے تمام اراکین پر مشتمل ہوتی ہے، تاہم پالیسی سازی کا بااختیار ادارہ پارٹی کی سینٹرل کونسل یعنی مجلسِ شوریٰ ہے جو پچاس ممبران پر مشتمل ہوتی ہے۔ مجلسِ شوریٰ کی صدارت جماعت اسلامی کے مرکزی امیر خود کرتے ہیں۔ اس میں نائب امیر اور سیکریٹری جنرل بھی شامل ہوتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ ذیلی بازوؤں کے آفس ہولڈرز سینٹرل کونسل کا حصہ بھی ہوں لیکن اُنہیں کسی بھی معاملے پر ووٹ دینے کا حق نہیں ہوتا۔ یہ سینٹرل کونسل پارٹی ایک بااختیار ادارہ ہے۔ یہ آئین میں ترمیم یا abrogate کر سکتی ہے اور پارٹی کا سالانہ بجٹ تیار کرتی ہے اور پارلیمانی بورڈ تشکیل دے سکتی ہے جو امیدواروں کا انتخاب کرتا ہے۔ جماعت

---

[4] Mohammad Waseem and Mariam Mufti, Political Parties in Pakistan, Organization & Power Structure (Lahore: LUMS, November 2012), p.74.

اسلامی روزانہ کی بنیاد پر پارٹی کی پالیسی پر عملدرآمد کو اصل پالیسی سازی سے الگ کرتی ہے۔ مرکزی ورکنگ کمیٹی (مجلسِ عاملہ) میں کل پندرہ آفس ہولڈرز ہوتے ہیں۔ یہ ممبران جماعت کے امیر اور سینٹرل کونسل کے ذریعے منتخب کیے جاتے ہیں۔ اگرچہ یہ ایک محدود عضویہ ہے، لیکن اسے اتنا بااختیار بنایا گیا ہے کہ یہ اُس وقت پارٹی کے فیصلے لے سکے جس وقت سینٹرل کونسل کا اکٹھا ہونا آسان نہ ہو۔[5]

جماعت اسلامی میں چار اہم فیکٹرز ہیں۔ لیڈرشپ، نظریہ، منتخب نمایندے اور تنظیمی حرکیات اور یہ سب کے سب برابر اہمیت کے حامل ہیں اور اس کی وجہ ہے کہ اس کی لیڈرشپ، منتخب نمایندے اور تنظیمی عضویوں میں شامل سب کے سب لوگ ایک جیسے سماجی پس منظر کے حامل یعنی مڈل کلاس اور لوئر مڈل کلاس سے تعلق رکھتے ہیں، جو پوری دیانت داری اور خلوص سے جماعت کے نظریہ کے ماننے والے ہوتے ہیں۔

جماعت اسلامی کی ممبرشپ اور حمایت کا مرکز

جماعت اسلامی میں ممبرشپ حاصل کرنے کا طریقہ کار بڑا دلچسپ ہے۔ کوئی بھی شخص جو اچھی سوچ اور ذہن کا مالک ہو جس نے پارٹی کا منشور پڑھا ہو اور اُس پر عمل کرنے کا وعدہ کرے جماعت اسلامی کا ممبر بن سکتا ہے۔ تاہم اُس کے لیے کچھ بنیادی شرائط پر پورا اُترنا ضروری ہوتا ہے۔ یہ شرائط عام طور پر اسلامی نظریات سے جڑی ہوئی ہیں۔ یہ شرائط درج ذیل ہیں۔

☆ اُس شخص کو کسی بھی قسم کی ایسی جائیداد کا مالک نہیں ہونا چاہیئے جو حرام ذرائع سے حاصل کی گئی ہو۔

☆ ایک ممبر بننے کے لیے خواہش مند شخص کو جماعت کے سامنے حلف اُٹھانا ہوتا ہے کہ وہ جماعت اسلامی کے اُصولوں کو مانے گا اور اُن پر عمل کرے گا، اور پارٹی کے منشور پر عمل کرے گا۔

☆ رُکن بننے والے شخص کو اسلام کے بارے میں مطالعہ کرنا ہوگا، اور اپنی زندگی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں گزارنا ہوگی، اور دُنیاوی طریقوں کو چھوڑنا ہوگا۔ سیاسی جماعت درس قرآن کے پروگرام منعقد کرے گی۔

☆ جماعت کا کوئی رُکن کسی اور جماعت کا رُکن نہیں بن سکتا جو جماعت کے مقاصد کے خلاف کام کرتی ہو۔

☆ نیز ایک رُکن کو جماعت کی خواتین اراکین اور اپنے خاندان کے لوگوں اور دوستوں میں دعوت دینا ہوگی۔

☆ اراکین کو ہر تین سال بعد ہونے والے انٹرا پارٹی انتخابات کے لئے اندراج کرانا ہوگا، اگرچہ یہ عمل مسلسل ہوتا رہتا ہے۔

☆ اراکین کو اکثر ہفتہ وار مجلسوں میں مدعو کیا جاتا ہے جو جماعت ہی کے دیگر اراکین کی جانب سے منعقد کی جاتی ہیں۔[6]

جماعت اسلامی ایک چھوٹی کیڈر ٹائپ پارٹی ہے جو اپنے تمام اراکین کا کمپیوٹرائزڈ ریکارڈ رکھتی ہے۔ جماعت کے جماعتی دستور کے مطابق (member) یعنی رُکن اور (workers) یعنی کارکن میں بنیادی فرق ہوتا ہے۔ باقاعدہ جماعت کے داخلی انتخابات میں رائے دینے کا حق رکھنے والے جماعت کے رُکن ہوتے ہیں جبکہ جماعت سے وابستہ باقی تمام لوگ اُس کے کارکن ہوتے ہیں۔ 2012ء میں کی گئی ایک تحقیق کے مطابق جماعت اسلامی کے ایسے اراکین جن کو پارٹی کے داخلی انتخابات میں ووٹ ڈالنے کا حق حاصل ہے کی تعداد 28,376 تھی۔ تاہم جماعت کے ایک اہم رہنما کے مطابق بعدازاں جماعت کے ایسے ارکان کی تعداد 32 سے 33 ہزار تک پہنچ چکی تھی البتہ اُنھوں نے درست تعداد سے لاعلمی

[5] Ibid page 74
[6] See Manisfesto of Jamaat-e-Islami, Pakistan

کا اظہار کیا۔ جبکہ جماعت کے ایسے کارکنان جو پورے ملک میں ہر موقع پر متحرک ہوتے ہیں اور جلسوں یا کسی بھی قسم کے اجتماعات کا انتظام سنبھالتے ہیں لیکن اُنہیں جماعت کے داخلی انتخابات میں ووٹ ڈالنے کا حق نہیں، کی تعداد 1,33,652 ہے۔ جبکہ ایسے کارکنان جو پارٹی کو سپورٹ تو کرتے ہیں لیکن ضروری نہیں کہ وہ پارٹی کو لازمی ووٹ دیں، کی تعداد 46,75,259 ہے۔[7]

جماعت اسلامی وابستہ لوگوں سے ذمہ داریوں اور رویوں کے حوالے سے توقعات میں بہت زیادہ واضح موقف رکھتی ہے۔ یہ بہت حد تک ایم کیوایم سے ملتا جلتا طریقہ کار ہے یا اس طرح کہا جائے تو زیادہ صحیح ہوگا کہ ایم کیوایم نے کارکنان کے حوالے سے ڈسپلن اور ضابطہ اخلاق جماعت اسلامی سے اخذ کیا تھا۔ اس لیے کہ ان دونوں جماعتوں کے کارکنان پارٹی سرگرمیوں کے حوالے سے روزانہ کی بنیاد پر حصہ لینے کے پابند ہیں۔ جس طرح ایم کیوایم کے مرکز نائن زیرو پر (جب تک ایم کیوایم منظم اور فعال تھی) چوبیس گھنٹے پارٹی سے تعلق رکھنے والے مخلص ورکرز مصروفِ کار رہتے تھے، بالکل اسی طرح جماعت اسلامی کے مرکز منصورہ میں ہمیں بڑی تعداد میں چوبیس گھنٹے پارٹی سے مخلص ورکرز مصروفِ کار دکھائی دیتے ہیں۔ جماعت اسلامی اپنے ورکرز سے اپنی زندگیوں کے ہر معاملے میں اسلامی اُصولوں پر عمل پیرا رہنے کی توقع کرتی ہے۔ جماعت کا دعویٰ ہے کہ اُس کے پاس ایسا طریقہ کار ہے جس کے ذریعے اراکین اور رہنماؤں کی صلاحیتوں کو نکھارا جاسکتا ہے اور پارٹی ڈسپلن کی پابندی کرائی جاسکتی ہے۔

جماعت اسلامی کی اشاعت اور میڈیا سیل

جماعت اسلامی کی نہ صرف ایک نہایت مؤثر ویب سائٹ ہے بلکہ یہ جماعت سوشل میڈیا پر بھی متحرک ہے اور کئی بلاک اور آن لائن فورمز بھی چلاتی ہے۔ مزید یہ کہ جماعت اسلامی کا ایک نہایت متاثر کن اشاعت کا ریکارڈ بھی ہے جو کہ پارٹی کے بانی مولانا مودودی کی تحریروں اور پارٹی کے دوسرے دانشوروں کی تحریروں پر مشتمل ہے۔ جماعت اس کے علاوہ بہت سے رسائل و جرائد جیسے کہ 'روشنی'، 'کرسٹل'، 'آگاہی'، 'ایشیا'، 'ہمقدم'، 'جسارت' اور 'افکارِ معلم' بھی نکالتی ہے۔[8]

جماعت اسلامی میں داخلی جمہوریت اعداد و شمار کی روشنی میں

پلڈاٹ کی جاری کردہ دونوں رپورٹوں یعنی 2014ء اور 2015ء میں جماعت اسلامی داخلی جمہوریت کے طے کردہ معیارات کے مطابق دونوں بار سب سے زیادہ یعنی 56 فیصد نشانات حاصل کرکے آٹھ جماعتوں میں پہلے نمبر کی جمہوری جماعت ہونے کا اعزاز حاصل کرنے میں کامیاب رہی ہے۔

ان سطروں میں پلڈاٹ کے متعین کردہ معیارات کو سامنے رکھتے ہوئے جماعت اسلامی کی داخلی جمہوریت کا جائزہ لیتے ہوئے پلڈاٹ کی رپورٹ 2015ء میں جماعت اسلامی سے متعلق جائزے کے نتائج کو درج کیا جارہا ہے۔

☆ جماعت اسلامی کا آئین 101 صفحات پر مشتمل ایک طویل دستاویز ہے جس میں کل گیارہ ابواب ہیں۔ اکتوبر 2015ء میں اس آئین میں ایک اہم ترین ترمیم کی گئی جس کے مطابق مجلسِ شوریٰ میں خواتین کو بھی دس نشستیں دی گئی ہیں۔

---

[7] www.ji.org.pk. accessed on 15 December 2021

[8] Mohammad Waseem and Marium Mufti, op.cit, p.74.

☆ انٹراپارٹی الیکشن پارٹی کے دستور کے مطابق مرکزی اور صوبائی سطح پر ہر تین برس میں ایک بار اور علاقائی یا ضلعی سطح پر دو برس میں ایک بار ہونا ضروری ہیں، تاہم امیر جماعت کا عہدہ پانچ سال کے لیے ہوتا ہے۔ جماعت اسلامی میں داخلی انتخابات ممکنہ طور پر وقت پر ہی ہوتے ہیں۔ آخری الیکشن فروری 2016ء میں ہوئے، جن میں مجلسِ شوریٰ کی تکمیل کی گئی۔

☆ صوبائی سربراہوں کا انتخاب بھی اکتوبر 2015ء میں کیا گیا تھا جس کے لیے جماعت کی صوبائی کونسل امیر جماعت کو تین نام خفیہ بیلٹ کے ذریعے منتخب کر کے بھیجتی ہے ان تین ناموں میں سے امیر کی صوابدید ہے کہ وہ جسے چاہے صوبائی سربراہ مقرر کردے۔

☆ پارٹی کے اہم ترین عضوے دو ہیں۔ پہلا مجلسِ شوریٰ اور دوسری مجلسِ عاملہ۔ مجلسِ شوریٰ منتخب اراکین پر مشتمل ہوتی ہے، جن کی تعداد پچاس ہے۔ جبکہ مجلسِ عاملہ کے اراکین کی تعداد پندرہ ہے جن کی نامزدگی امیر جماعت کا استحقاق ہے۔ تاہم یہ سب کے سب مجلسِ شوریٰ ہی سے لیے جاتے ہیں۔ ان عضویوں کی میٹنگ باقاعدگی سے ہوا کرتی ہیں۔ جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ 2015ء کے ایک سال میں مجلسِ شوریٰ کی 13، جبکہ مجلسِ عاملہ کی 14 میٹنگز بُلائی گئیں۔

☆ جماعت اسلامی میں ہر قسم کے انتخابات میں اُمیدواروں کے چناؤ کے لیے دستور میں طے کردہ طریقہ کار پر سختی سے عمل کیا جاتا ہے اور جسے جماعت میں 'تقویٰ' (piety) کہا جاتا ہے۔ اس ابتدائی انتخاب میں جماعت کی مقامی سطح کی شاخوں کی مکمل شراکت ہوتی ہے۔ اور ابتدائی طور پر اُمیدواروں کے نام علاقائی اور ضلعی سطح ہی سے بھیجے جاتے ہیں جو پہلے صوبائی پارلیمانی کمیٹی اور پھر مرکزی پارلیمانی کمیٹی کے پاس جاتے ہیں۔ جماعت کے سیکریٹری جنرل حتمی طور پر اُمیدواروں کو جماعت کے ٹکٹ جاری کرنے کے اختیارات رکھتے ہیں۔

☆ جماعت اسلامی کی پارلیمانی پارٹی بھی قومی اسمبلی یا صوبائی اسمبلیوں کے اجلاسوں کے دوران ایجنڈا طے کرنے اور معاملات پر بحث کرنے میں نہایت متحرک دکھائی دیتی ہیں۔ سینیٹ میں 2015ء کے دوران جماعت کی پارلیمانی پارٹی کی میٹنگز دو بار منعقد کی گئیں۔ جبکہ قومی اسمبلی میں پارلیمانی پارٹی کی میٹنگز پانچ بار منعقد کی گئیں۔

☆ پارٹی دستور کے مطابق جماعت کا سالانہ کنونشن 5-4 برس میں ایک بار ہونا چاہیے۔ 2008ء کے بعد جماعت کا کنونشن چھ برس بعد نومبر 2014ء میں ہوا تھا۔

☆ قیادت کے معاملے میں جماعت اسلامی میں موروثیت نہیں ہے۔ امیر جماعت کے انتخاب کے لیے ایک طریقہ کار پر عمل کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جماعت کے بانی امیر مولانا مودودی سے اب تک امیر جماعت کا انتخاب اُسی طے شدہ طریقہ کار کے مطابق ہوا ہے اور کبھی بھی کسی قسم کی خاندانی اجارہ داری یا موروثیت قائم نہیں ہو سکی۔

☆ یہی نہیں بلکہ اعلیٰ قیادت کی تبدیلی میں تسلسل پایا جاتا ہے۔ 2008ء میں جب قاضی حسین احمد جماعت کے امیر کے عہدے سے سبکدوش ہوئے تو سید منور حسن کا انتخاب کیا گیا، اور جب 2014ء میں سید منور حسن نے اپنی مدت پوری کی تو پھر طے شدہ طریقہ کار کے تحت سراج الحق صاحب جماعت کے مرکزی امیر منتخب ہوئے۔ البتہ جماعت کی تاریخ میں یہ پہلی مرتبہ ہوا تھا کہ مجلسِ شوریٰ کی طرف سے امارت کے لیے دیے گئے تین ناموں میں اُس وقت کے امیر یعنی سید منور حسن کا نام بھی شامل تو تھا مگر وہ انتخاب میں اراکین کی اکثریت کی تائید حاصل نہیں

کر سکا اور ہار گیا۔ ماضی میں جب بھی موجود امیر کا نام تین ناموں کے پینل میں شامل ہوا تو وہی اگلے پانچ سال کے لیے امیر منتخب ہوا۔ سید منور حسین کا دوسری مدّت کے لیے منتخب نہ ہونا ایک اہم واقعہ تھا۔ بادی النّظر میں اس کو بھی جماعت کے اندر جمہوری فیصلہ سازی کی ایک مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے اور جماعت کے وابستگان ایسا کرتے بھی ہیں، تاہم ان انتخابات میں پانچ ہزار سے زیادہ اراکین کا ووٹ ڈالنے کے حق کو استعمال نہ کرنا جماعت کی صفوں میں ذہنی خلفشار کا مظہر بھی قرار دیا گیا۔

☆ جماعت اسلامی کے مالی معاملات بھی بہت حد تک صاف اور واضح ہیں۔ جماعت کی فنڈنگ کا سب سے بڑا ذریعہ چندہ ہے، جماعت کے پیش کردہ اعداد و شمار کے مطابق گزشتہ سات برسوں سے جماعت کی تواتر کے ساتھ ہونے والی اوسط آمدنی 1,03,11,52,543 روپے ہے۔اس آمدنی کے ساتھ جماعت پاکستان کی امیر ترین جماعتوں میں شامل ہوتی ہے۔

☆ اہم ترین فیصلے یا تو مجلسِ شوریٰ یا پھر مجلسِ عاملہ میں کیے جاتے ہیں۔[9]

یہ اعداد و شمار اور جماعت کے عملی معاملات ہیں جن کی بنیاد پر پلڈاٹ نے اپنی 2015ء کی رپورٹ میں جماعت اسلامی کو داخلی جمہوریت کے اعتبار سے آٹھ جماعتوں میں پہلے نمبر کی جمہوری جماعت قرار دیا ہے۔ مارچ 2019ء میں سینیٹر سراج الحق دوسری مرتبہ امیر جماعت اسلامی منتخب ہوئے۔ان کا یہ تقرر اگلے 5 برس کے لیے کیا گیا تھا۔

جماعت کی پالیسیوں کا تجزیہ

اگر جماعت اسلامی کی ساخت اور تنظیمی ڈھانچے میں اس کے قیام کے ابتدائی نظریات اور تاریخ کے اثرات کو تلاش کیا جائے تو محض ایک چیز کے علاوہ کوئی بھی بات جماعت کی پاکستان میں سیاست کرنے میں مانع نہیں تھی اور وہ بات تھی جماعت کے قائدین کا پاکستان کے قیام کی مخالفت کرنا۔ بلاشبہ یہ ایک علّت تھی لیکن جماعت کے بانی امیر مولانا مودودی نے قیام پاکستان کے ابتدائی دنوں ہی میں اس بارے میں یہ کہہ کر وضاحت کرنا چاہی کہ جماعت اسلامی پاکستان کے قیام کی مخالف نہیں تھی بلکہ اس کو مسلم لیگ کے طریقہ کار سے اختلاف تھا، یہ کہہ کر انہوں نے پاکستان میں سیاست کی راہ ہموار کر لی تھی۔ دوسری اہم بات مولانا مودودی کی خواہش تھی کہ وہ ایسے بااعتماد ساتھیوں پر مشتمل ایک جماعت تیار کریں جو مکمل طور پر مولانا کے نظریات کی حمایت کرتے ہوں اور اُن کی فکری تربیت میں مولانا کی فکر و سوچ نے اہم کردار ادا کیا ہو۔اس امر نے جماعت کی ساخت پر مثبت و منفی دونوں ہی طرح کے اثرات مرتب کیے۔ مثبت اس طرح سے کہ اس طرح جماعت میں مختلف الخیال لوگوں کے داخلے کو روک دیا گیا اور جماعت میں اتحاد اور نظم و ضبط کے حوالے سے کبھی کوئی بڑا مسئلہ درپیش نہیں ہوا۔ جبکہ منفی اس لحاظ سے کہ اس انتہا درجہ کی حد بندی نے عام لوگوں کو جماعت میں کسی بھی حیثیت سے داخلے کو لگ بھگ ممنوع قرار دے دیا جس کے نتیجے میں جماعتِ اسلامی کبھی بھی عوام الناس کی جماعت نہ بن سکی۔ جماعت اسلامی کو ایک معقول تنظیمی ڈھانچے اور اسے چلانے کے لیے ایک بہتر جمہوری اور سائنٹیفک طریقہ کار کے باوجود معروف معنوں میں ایک جمہوری سیاسی جماعت کا درجہ دینے میں کچھ نہ کچھ قباحتیں ضرور حائل ہیں۔ ڈاکٹر خلیل احمد کے مطابق:

---

[9] 'Internal Democracy of Major Political Parties of Pakistan 2015', PILDAT, Islamabad: Feburary 2016, pp.61-67.

''جماعت اسلامی ایک ایسی پارٹی ہے، جو ان شرائط پر سر تا پا پوری اُترتی ہے جو ایک پارٹی کے لیے اہم ہیں۔ اس میں باقاعدگی سے انتخابات ہوتے ہیں اور ہر مرتبہ نئے لیڈر منتخب ہوتے ہیں۔ اس پارٹی میں موروثی یا خاندانی سیاست کا کوئی شائبہ موجود نہیں۔ لیکن ان سب باتوں کے باجود، جماعت اسلامی کے حوالے سے یہ سوال نہایت اہم ہے کہ 'اس پارٹی نے جمہوریت کے قیام اور استحکام، اور پاکستان کے سیاسی ارتقا کے لیے کیا خدمات انجام دی ہیں'۔ اس بحث سے یہ بات صاف ہو جانی چاہیے کہ پارٹی کے اندر انتخابات کو پارٹی کے جمہوری کردار سے کوئی لینا دینا نہیں۔'' [10]

جماعت اسلامی وہ پارٹی ہے جس کے اندر باقاعدگی سے انتخابات منعقد ہوتے ہیں اور اُن کے نتیجے میں جمہوری طریقے سے شہروں اور قصبوں سے لے کر مرکزی امیر کا چناؤ ایمان داری سے کیا جاتا ہے۔ تاہم بد قسمتی سے حقیقت یہ ہے کہ جماعت اسلامی کے یہاں بھی بعض حوالوں سے جمہوری رویوں کا فقدان رہا ہے۔ جماعت اسلامی میں یہ غیر جمہوری رویے پارٹی پالیسی کی صورت میں اس کی کئی دہائیوں پر پھیلی تاریخ میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ ہم جماعت کی تاریخ سے ایسی کئی مثالیں دے سکتے ہیں جب جماعت اسلامی کے امیر پر اختیارات کے خواہشمند ہونے اور دیگر غیر جمہوری اقدامات کے الزامات خود اُن کی جماعت کے اندر سے لگائے گئے۔ یہاں تک کہ جماعت اسلامی میں مولانا موﺅدودی کی پوزیشن بھی ہمیشہ سوالات اور الزامات سے بالاتر نہیں رہی، بارہا مولانا مودودی کو جماعت کے اندر سے سنجیدہ چیلنجز کا سامنا کرنا پڑا۔ اس سلسلے کا پہلا واقعہ 1950ء کی دہائی میں جماعت اسلامی کی طرف سے انتخابات میں حصہ لینے کی پالیسی کے سامنے آنے کے بعد پیش آیا جب ماچھی گوٹھ (صادق آباد، رحیم یار خان) میں جماعت کے ایک اجتماع میں مولانا امین احسن اصلاحی، حکیم عبدالرحیم اور اُن کے دیگر ساتھیوں نے اس پالیسی کی سخت مخالفت کی اور اسے جماعت کے بنیادی نقطۂ نظر کے منافی قرار دیا۔ جبکہ مولانا موﺅدودی کا کہنا تھا کہ: 'جماعت سختی سے اپنے اُصولوں پر عمل کر رہی ہے، تاہم ترکیب تبدیل ہوسکتی ہیں۔ لیکن ترکیب اُصول نہیں ہوتیں، اُنھوں نے دعویٰ کیا کہ دُنیا میں کوئی جماعت ہمیشہ ایک جیسی چالوں یا تراکیب سے چمٹی نہیں رہ سکتی'۔ [11]

اجلاس میں حاضر جماعت کے رہنماؤں کی اکثریت نے موﺅدودی کے موقف کی حمایت کی۔ تاہم یہ اعتماد کا ووٹ اُس وقت لیا گیا جب مخالفت کرنے والے مولانا اصلاحی اور اُن کے ساتھی اجلاس سے جا چکے تھے۔ بعد ازاں اسی اختلاف کی بنیاد پر مولانا اصلاحی جنوری 1958ء میں جماعت کے امیر مولانا موﺅدودی پر بہت سے الزامات لگا کر جماعت سے الگ ہو گئے۔ اُن کا کہنا تھا کہ:

''مولانا مودودی اختیارات کو مکمل طور پر اپنی دسترس میں رکھنے کے خواہش مند ہیں اور اس کے لیے نہ صرف وہ کوئی بھی ایسی پالیسی اپنا لیں گے جو اسلام کے اُصولوں سے متضاد ہو بلکہ وہ اسلام کی توجیہہ بھی اپنی سہولت کے مطابق کر لیں گے۔''[12]

---

[10] ڈاکٹر خلیل احمد، 'سیاسی پارٹیاں یا سیاسی بندوبست، پاکستانی سیاست کے پیچ وخم کا فلسفیانہ محاکمہ' (لاہور: اے۔ایس انسٹیٹیوٹ، 2021ء)، ص ص 92تا93۔

[11] Kalim Bahadur, The Jama'at-i-Islami of Pakistan, Political thoughts and Political action (Lahore: Progressive Books, 1978), pp.87-93.

[12] Op. Cit.

جماعت کے بانی امیر مولانا مودودی کو اس قسم کے دوسرے چیلنج کا سامنا اُس وقت کرنا پڑا جب 1965ء میں (سی او پی) یعنی متحدہ حزب اختلاف نے جنرل ایوب کے خلاف صدارتی اُمیدوار کے طور پر محترمہ فاطمہ جناح کو نامزد کیا۔ جماعت اسلامی کے امیر جو اُن دنوں جیل میں تھے نے باوجود ہچکچاہٹ کے محترمہ فاطمہ جناح کے نام پر اتفاق کر لیا جس پر مولانا کوثر نیازی نے اس فیصلے کو جماعت کے عورت کی حکمرانی کے حوالے سے بنیادی مؤقف کے برخلاف قرار دیتے ہوئے فروری 1965ء میں جماعت سے استعفیٰ دے دیا۔

جہاں تک سیاست میں مجموعی طرز عمل کی بات ہے تو یہاں بھی جماعت کوئی خاطر خواہ مثالی کردار ادا کرنے میں ناکام رہی۔ جماعت اسلامی کے طرزِ عمل کے حوالے سے ایک مصنف اس طرح رقم طراز ہیں:

> ''جماعت کی دین فہمی تو یہاں زیر بحث نہیں مگر جہاں تک اُس کی سیاست فہمی کا تعلق ہے، اس نے اکثر غلط بینی کا ثبوت دیا۔ پاکستان بن رہا تھا تو وہ 'پاکستان' کی حقیقت کو نہ دیکھ سکی۔ ایوب خان اور یحییٰ خان کے آمرانہ رویے سے تنگ آکر (دیگر وجوہ کے علاوہ) مشرقی پاکستان الگ ہو رہا تھا تو جماعت کو یہ علیٰحدگی اور اس کا درست پس منظر دکھائی نہ دیا۔'' [13]

آگے چل کر مصنف لکھتا ہے کہ بھٹو اور اُن کے خلاف بننے والے سیاسی جماعتوں کے اتحاد کے درمیان جب سمجھوتہ ہونے ہی والا تھا جنرل ضیاء الحق نے مارشل لا لگا دیا اور اُس وقت بھی جماعتِ اسلامی جنرل ضیا کے مقاصد کا درست ادراک نہ کر سکی اور جنرل ضیا کی آمریت میں حصہ دار بن گئی۔ جنرل ضیاء الحق نے فوجی شب خون (coup d etat) کے ذریعے اقتدار پر قبضہ کرنے کے کچھ عرصے بعد بھٹو کے خلاف بننے والے پاکستان قومی اتحاد (PNA) کو حکومت میں شمولیت کی دعوت دی تو قومی اتحاد کی جن جماعتوں نے یہ دعوت قبول کی اُن میں جماعت اسلامی شامل تھی، جس کے حصے میں چار وزارتیں آئیں۔ جماعت کا کہنا تھا کہ اقتدار میں شمولیت ملک میں اسلامی نظام کے قیام میں معاون ثابت ہو گی۔ جماعت کے ایک وزیر پروفیسر خورشید احمد نے لندن کے ایک اجتماع میں کہا کہ 'پاکستان میں اسلامی قوانین کے نفاذ کے لیے انتخابی فیصلے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ پاکستان کے عوام کا فیصلہ ہے جو پہلے ہی کر چکے ہیں اور جسے اب پورا کیا جا رہا ہے'۔ [14] عوام کے فیصلے سے پروفیسر صاحب کی مراد شاید قومی اتحاد کی بھٹو مخالف تحریک میں نظامِ مصطفی کے نعرے کا استعمال تھا۔ اسی طرح افغان مسئلہ پر اگر ہم اپنی حکومت اور جماعت اسلامی کی پالیسی کے حق میں کوئی دلیل لے بھی آئیں تو بھی اس معاملے میں بعد ازاں پاکستان کو جن حالات کا سامنا کرنا پڑا اُن کے دوررس مضر اثرات کو کیونکر نظر انداز کیا جا سکتا ہے اور پھر امریکہ اور بعض دوسری یورپی طاقتوں نے جس طرح اس معاملے کو اپنے مفاد میں استعمال کیا، اس پر نگاہ نہ رکھنا بھی دانش و فراستِ سیاسی کے خلاف تھا۔ [15]

☆ مولانا مودودی کا ایک بڑا کام جو بظاہر پوری مسلم دُنیا کے کسی اور ملک میں شاید ہی کسی اور نے سر انجام دیا ہو، وہ یہ ہے کہ مولانا نے جمہوریت کو قابل قبول بنانے کے لیے جمہوریت کا اسلامی رُخ متعارف کرایا اور معروف جمہوری اداروں جیسے کہ پارلیمنٹ وغیرہ کے لیے مجلسِ

---

[13] پروفیسر محمد عثمان اور مسعود اشعر، 'پاکستان کی سیاسی جماعتیں' (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشن، 1988ء)، ص566۔

[14] جمہوریت، عام انتخابات اور وزراء کی نئی نئی باتیں (اداریہ)، ہفت روزہ ''قیادت'' کراچی۔ 23 اکتوبر 1978ء۔

[15] پروفیسر محمد عثمان، بحوالہ سابقہ، ص566۔

شوریٰ جیسے اسلامی نام نعم البدل کے طور پر پیش کیے اور انتخابی طریقہ کو اصل مقصد یعنی ایک صحیح اسلامی حکومت کے قیام تک پہنچنے کا ایک ذریعہ قرار دیا۔ بہت سے ماہرین سیاسیات اس عمل یا اس سارے کام پر شدید تنقید کرتے ہیں تاہم یہ اس لحاظ سے ایک بڑا کام تھا کہ اس نے مسلمانوں کے (clergy) مذہبی اور خاص طور پر منبر و محراب سے وابستہ طبقے کو جمہوریت کو اپنانے کا ایک راستہ مہیا کیا اور اُنہیں جمہوریت کی مخالفت میں سے اس کی حمایت کا ایک جھروکہ دکھا دیا۔ ظاہر ہے علما کے لیے مغربی جمہوریت کو جوں کا توں اپنانا آسان نہ تھا۔ لیکن اس تخلیقی اور تعمیری کام کے باوجود جماعت اسلامی کی اصل مشکل یہ تھی کہ باوجود جمہوریت کے اسلامی رُخ کی تخلیق اور انتخابی طریقہ سے حکمران کے چناؤ کو درست مان لینے کے جماعت اسلامی کے سامنے تقسیم سے قبل مسلم لیگ کی صورت میں ایک ایسی حریف سیاسی جماعت موجود تھی جس کی موجودگی میں مسلمانوں کی اکثریت سے ووٹ لینا اور اس انتخابی طریقۂ کار میں کامیابی حاصل کرنا ناممکن تھا، لہٰذا جماعت نے ایک حکمت عملی کے تحت تقسیم سے قبل خود کو انتخابی عمل سے دور رکھا۔ جبکہ تقسیم کے بعد جماعت اسلامی کی اس مشکل میں اُس وقت اور اضافہ ہو گیا جب اس مقابلے میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مختلف منشور اور نظریات کی حامل جماعتیں منظر پر آتی گئیں اور عوامی حمایت بھی حاصل کرنے لگیں۔ اس طرح جماعت اسلامی کا پاکستان میں اپنے نظریات کے مطابق اسلامی نظام حکومت قائم کرنا وہ بھی الیکشن جیت کر مشکل تر ہوتا گیا۔ لہٰذا دیکھا جا سکتا ہے کہ جماعت اسلامی کے یہاں وقتاً فوقتاً خلافت کے ادارے کی بازگشت بھی سُنائی دیتی رہی جس کے لیے مروجہ انتخابی طریقہ ہائے کار کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور یقینی طور پر مختلف فوجی حکمرانوں کی حمایت بھی اسی اُلجھن کا ایک عکس تھی۔

☆ مولانا مودودی نے جماعت میں امیر کے انتخاب کا جو تصور دیا وہ منفرد نوعیت کا تھا۔ جماعت میں از خود کوئی شخص اپنا نام امارت کے اُمیدوار کے طور پر پیش نہیں کر سکتا کیونکہ مودودی کے خیال میں اس سے حُبِّ اختیار اور اقتدار طلبی کے جذبے کو راہ مل سکتی تھی۔ چنانچہ مولانا مودودی کے ایما پر جماعت نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ مجلسِ شوریٰ تین نام منتخب کر کے دے اور ارا کینِ جماعت ان میں سے کسی ایک یا پھر ان کے علاوہ کسی چوتھے رکن کو ووٹ دے کر امیر کا انتخاب کریں۔ اگرچہ مولانا مودودی نے بظاہر جمہوری طرز عمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے جماعت کے امیر کے انتخاب کے لیے تمام رہنماؤں کو اُن کے (مولانا مودودی) علاوہ امیر منتخب کرنے کے لیے کُھلی دعوت دی، لیکن امیر کے انتخاب کے درج بالا بیان کردہ طریقۂ کار کے سبب 1972ء تک جب تک مولانا مودودی صحت مند تھے جماعت کی شوریٰ نے ہر بار اُن ہی کو اپنا امیر منتخب کیا۔

☆ جماعتِ اسلامی پاکستان کی پارلیمانی سیاست میں کوئی بڑا مقام کیوں نہ بنا سکی؟ یہ ایک گہرا اور طویل بحث کا متقاضی سوال ہے، تاہم ایک نہایت اہم وجہ کا تذکرہ ضروری ہے۔ ہمارے نزدیک اس مقام کو حاصل نہ کر سکنے کی بہت سی وجوہات میں سے سر فہرست وجہ جماعت کے بانی سے لے کر اُس کے سر کردہ رہنماؤں اور نظریاتی کارکنان کا ایک مخصوص اسلامی نظریہ یا مکتب فکر کا حامل ہونا تھا جو بہت حد تک دیوبندی مسلک یا فرقہ کے قریب ہے۔ اس مسلک سے مولانا مودودی کی ذہنی ہم آہنگی ہی تھی کہ مولانا مودودی کافی عرصہ تک 'الجمعیۃ' کی ادارت کے فرائض سر انجام دیتے رہے جو کہ جمعیت علمائے ہند کا ترجمان جریدہ تھا۔[16] تاہم مولانا مودودی اکثر یہ کہا کرتے تھے کہ وہ مسلک و فرقوں سے بالا تر ہو کر خدمت

---

[16] ڈاکٹر سید اسد گیلانی، 'جماعت اسلامی، 1941ء تا 1947ء' (لاہور: فیروز سنز، 1992ء)، ص 77۔

دین کا فریضہ انجام دے رہے ہیں اور اس کام میں کوئی بھی اُن کے ساتھ شریک ہو سکتا ہے۔ یہی نہیں اُنہوں نے فرقہ سازی کی تعریف بیان کرتے ہوئے یہ بھی وضاحت فرمائی تھی کہ ہم کوئی نیا فرقہ بھی تشکیل نہیں دے رہے اور نہ دینا چاہتے ہیں۔[17]

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جماعت اسلامی میں کوئی بھی شخص ابتدائی سطح کی رکنیت حاصل کر سکتا ہے۔ اسی لیے آج جماعت اسلامی ایسی کسی بھی تخصیص کی نفی کرتی ہے اُس کا کہنا ہے کہ جماعت میں ہر مسلک اور فرقہ کے لوگ پہلی سطح کی رکنیت حاصل کر سکتے ہیں یہاں تک کہ جماعت میں شیعہ حضرات بھی بنیادی رکن رہے ہیں۔ جب یہی سوال جماعت کے اہم رہنما سے دوران انٹرویو پوچھا گیا تو اُنھوں نے کہا کہ 'یہ درست ہے کہ جماعت اسلامی میں پہلی سطح کی رکنیت میں کچھ شیعہ حضرات بھی شامل رہے ہیں'۔ لیکن جب اُن سے پوچھا گیا کہ کیا اُن کے علم میں پوری جماعت اسلامی میں فی الوقت کوئی ایک بھی ایسا رکن موجود ہے تو اُنھوں نے اس بارے میں اپنی لاعلمی ظاہر کی۔[18] لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس دعویٰ کے باوجود جماعت اسلامی میں کوئی بھی شخص انتہائی ابتدائی سطح یعنی سپورٹرز سے اوپر کا درجہ اُس وقت ہی حاصل کر پاتا ہے جب وہ جماعت کے نظریاتِ سیاست و مذہب کو اپناتا ہے۔ اگرچہ یہ ایک معمول کا طریقہ ہے جو کسی بھی سیاسی جماعت میں اسی طرح رائج ہوتا ہے، سیدھی سی بات ہے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شخص کسی جماعت کی قیادت یا نظریہ یا منشور سے ذہنی ہم آہنگی نہ رکھتا ہو اور اُسے پارٹی میں آگے بڑھنے کا موقع بھی دے دیا جائے۔ سو جماعت اسلامی میں بھی اس طرح کی چھلنیاں موجود تھیں اور اب بھی ہیں جن سے گزر کر ایک ہم خیال اور بنیادی نظریات سے ہم آہنگ شخص ہی پارٹی میں آگے بڑھ سکتا ہے۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ جماعت اسلامی میں اعلیٰ سطح کا کوئی بھی لیڈر اس بات کا اظہار تو کرتا ہے کہ جماعت اسلامی سب کی جماعت ہے لیکن جب اُن سے کسی ایک مثال کا تقاضا کیا جائے تو وہ ایسی کوئی مثال پیش کرنے سے قاصر دکھائی دیتے ہیں۔ اس تناظر میں لامحالہ نظریاتی کارکنان کی اُس پہلی صف میں نظریاتی اختلاف رکھنے والے کی گنجائش کس طرح بن سکتی ہے۔ لہٰذا یہ بات غلط ثابت ہو جاتی ہے کہ جماعت میں ہر کوئی شامل ہو سکتا ہے اور ترقی بھی کر سکتا ہے۔ اب یہی وہ بات تھی جس کی وجہ سے پاکستان کے دوسرے مسالک سے تعلق رکھنے والے عام مسلمانوں میں اس جماعت سے ایک مسلکی بیگانگی کبھی ختم نہ ہو سکی۔ یہ ایک ایسی حقیقت تھی کہ جس کا ادراک یقینی طور پر خود جماعت اسلامی کے رہنماؤں کو بھی رہا ہوگا، اسی لیے جماعت نے اپنی پوری انتخابی تاریخ میں محض دو انتخابات میں اپنی انفرادی حیثیت میں الیکشن لڑنے کا فیصلہ کیا۔ پہلی بار ۱۹۷۰ء میں اور دوسری بار ۲۰۱۳ء میں، ان کے علاوہ جماعت ہمیشہ کسی نہ کسی انتخابی اتحاد کا حصہ رہی تھی۔ اور جن دو انتخابات میں اس نے انفرادی طور پر حصہ لیا اُن میں اس کو کوئی قابل ذکر کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ 1970ء میں جماعت اسلامی نے مغربی پاکستان کی قومی اسمبلی کی کل 138 نشستوں میں سے محض 4 نشستیں حاصل کی تھیں، جبکہ 2013ء میں جب قومی اسمبلی کی نشستوں کی تعداد بڑھ کر 342 ہو چکی تھی جماعت اسلامی محض 4 نشستیں ہی حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکی۔[19]

---

17 'روداد جماعت اسلامی، حصہ اول، 43-1941ء'، طابع و ناشر چوہدری محمد اسلم سلیمی قیم جماعت اسلامی (لاہور: شعبہ نشر و اشاعت جماعت اسلامی 1992ء)، ص ص 34تا35۔

18 انٹرویو: محمد حسین محنتی، نائب امیر جماعت اسلامی، صوبہ سندھ۔

19 Partywise result election 1970 (www.ecp.gov.pk) accessed on 19 December 2021

لٰہذا درج بالا نتائج کی روشنی میں پاکستان کی سیاست کے تناظر میں جماعت اسلامی کے لیے ایک اور لمحہ فکریہ جو گزشتہ چند برسوں میں زیادہ شد و مد کے ساتھ سامنے آرہاہے وہ یہ ہے کہ آخر وہ کیا وجہ ہے کہ داخلی اعتبار سے سب سے مضبوط جماعت کی عوامی مقبولیت کا گراف روز بہ روز نیچے گرتا جارہاہے اور انتخابی سیاست میں اُس کی ناکامی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ ملک کے کئی سنجیدہ ترین دانشور اور یہاں تک کہ جماعت اسلامی کے اپنے بعض مخلص دوست جماعت اسلامی کو انتخابی سیاست ترک کرکے محض دینی، اصلاحی اور فلاحی کاموں تک محدود کردینے کا مشورہ دے رہے ہیں۔ مثال کے طور پر ملک کے ایٹمی سائنسدان ڈاکٹر عبدالقدیر خان جماعت اسلامی کو مشورہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

سیاست میں قدم رکھ کر جماعت اسلامی نے قوم اور ملک پر بڑا ظلم کیا ہے، کاش وہ سیاست میں آنے کے بجائے قوم کا اخلاق و کردار اسلامی اصولوں پر ڈھالنے کی کوشش کرتی تو ہم ایک نہایت اچھی قوم بن گئے ہوتے۔ آپ خود دیکھیے یہ جانتے ہوئے بھی کہ کراچی کے ضمنی انتخابات میں ان کی کامیابی کا زیرو چانس یا موقع تھا اُنہوں نے لاکھوں قیمتی گھنٹے اور عوام کے کروڑوں روپیہ ضائع کردیے جبکہ یہ وقت اور پیسہ عوام کا تھا۔ اب بھی میرا مؤدبانہ مشورہ جماعت اسلامی کو ہے کہ وہ حقوق العباد کی جانب تمام تر توجہ مبذول کرے، عوام کو جھوٹ، مذہبی فرقہ پرستی، بے ایمانی، رشوت ستانی ملاوٹ اور لڑائی جھگڑوں سے نجات دلانے کی کوشش کرے۔ عوام صحیح ہوجائینگے تو حکمران خود بخود ٹھیک ہوجائینگے۔[20]

اس حوالے سے دوسری اہم رائے امیر جماعت الدعوۃ حافظ محمد سعید کی ہے۔ وہ مذہبی سیاسی جماعتوں کی سیاست پر اظہار خیال کرتے ہیں کہ :

اس وقت پاکستان میں دینی شناخت رکھنے والی دو بڑی سیاسی جماعتیں انتخابی سیاست میں ہیں۔ جماعت اسلامی اور جمعیت علمائے اسلام (ف)۔ عام انتخابات میں عموماً ان دونوں جماعتوں کی نشستیں ایک سی ہوتی ہیں، جو عموماً دس سے بھی کم ہوتی ہیں۔ جماعت اسلامی ایک ملک گیر جماعت ہے، جب کہ جمعیت علمائے اسلام (ف) ملک کے مخصوص حصوں میں اپنا اثر ورسوخ رکھتی ہے۔ پارلیمنٹ میں جتنی نشستیں جمعیت علمائے اسلام (ف) کی آج سے ۲۰ برس قبل تھیں، اتنی ہی آج بھی ہیں۔ اسی طرح جماعت اسلامی کی نشستوں میں بھی کوئی خاص اضافہ نہیں ہوا۔ ایسے میں مجھے نہیں لگتا کہ یہ جماعتیں ملک میں کوئی بڑی تبدیلی لاسکی ہیں یا لاسکیں گی۔[21]

ایک سوال کے جواب میں وہ مزید کہتے ہیں کہ :

"میں تو خود اسلامی جمعیت طلبا سے وابستہ رہا ہوں اور آج بھی جماعت اسلامی کے رہنماؤں سے میرے نہایت اچھے مراسم ہیں، بلکہ قاضی حسین احمد (مرحوم) تو مجھ سے بہت زیادہ محبت کیا کرتے تھے۔ وہ ایک مرتبہ مجھ سے درد بھرے لہجے میں کہنے لگے، "حافظ صاحب! آپ تو ان جھمیلوں سے بچے ہوئے ہیں۔ آپ ریلیف کا کام کررہے ہیں، لیکن ہم تو پھنس گئے ہیں۔" تو میں نے جواب دیا کہ " قاضی صاحب! مجھے بھی آپ سے محبت ہے۔ اس لیے میں یہی گزارش کروں گا کہ اگر آپ پھنسے ہوئے ہیں، تو اس سے نکلنے میں کوئی حرج نہیں۔ بہتر ہے کہ آپ وہی کام کریں، جس سے آپ کو زیادہ فائدہ ہو"۔ یہ سُن کر وہ کہنے لگے کہ "ہاں! یہ بات ٹھیک ہے۔" [22]

---

[20] ڈاکٹر عبدالقدیر خان، 'نماز۔ اسلام کی صحیح بنیاد و معیار'، روزنامہ جنگ، 25 مئی 2015ء۔

[21] حافظ سعید احمد، 'گفتگو طلعت عمران کے ساتھ'، سن ڈے میگزین، روزنامہ جنگ، 31 مئی 2015 ء۔

[22] ایضاً

(یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ حافظ سعید کی جماعت الدعوۃ پر دہشت گردی کے الزام لگنے کے بعد اس جماعت نے خود کو مرکزی سیاسی دھارے (mainstream) میں داخل کرنے کی غرض سے خود بھی انتخابی سیاست کا راستہ اختیار کرلیا اور 2017ء میں لاہور کے انتخابی حلقے نمبر 120 میں ضمنی انتخاب کے موقع پر اپنا اُمیدوار کھڑا کیا جس نے جماعت اسلامی کے اُمیدوار سے زیادہ ووٹ حاصل کیے)

درج بالا دونوں صاحبان کے مشوروں کو اگر ہم مولانا احسن اصلاحی کے اُس مشورے سے ملا کر دیکھیں جو اُنہوں نے اُنیس سو پچاس کی دہائی میں مولانا مودودی کو اُس وقت دیا تھا جب اُنھوں نے انتخابی سیاست میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا تھا تو ایسا لگتا ہے کہ جماعت اسلامی جہاں سے چلی تھی اب تک وہیں کھڑی ہے۔ جماعت کے مخلص لوگ ماضی میں جس راستے پر چلنے سے روک رہے تھے سات دہائیوں بعد ایک بار پھر جماعت کو اُس راستے سے پلٹ جانے کا مشورہ دیا جارہا ہے۔ جب انتخابی سیاست میں جماعت اسلامی کی ناکامی اور اُسے انتخابی سیاست ترک کرنے کے مشوروں کے حوالے سے محمد حسین محنتی صاحب سے سوال کیا گیا تو اُنہوں نے اس کا کچھ اس طرح جواب دیا:

جماعت اسلامی کا یہ عقیدہ ہے کہ موجودہ دور میں جو تبدیلی لائی جاسکتی ہے یعنی اسلامی نظام جس کے لیے جماعت اسلامی جدوجہد کر رہی ہے اُس کے لیے اگر کوئی عملی راستہ میدان میں موجود ہے تو وہ انتخابی سیاست کا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور راستہ ہمیں دکھایا نہیں، اگر موجود ہو تو ہم پھر اُس پر سوچیں گے۔ تاہم راستہ ہمیں ایک ہی نظر آتا ہے۔[23]

جب اُن سے جماعت اسلامی کے خلافت کے نظام کے حوالے سے نکتہ نظر پر سوال کیا گیا تو اُنھوں نے کچھ اس طرح جواب دیا:

"خلافت ہماری منزل ہے۔ جمہوریت ایک راستہ ہے نا۔ تو اُس راستے سے ہم جاتے ہیں۔ ہمارا جو اسلامی نظام لانے کا اور خلافت کا نظام لانے کا پروگرام ہے اُس کو لے کر ہم چل رہے ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ موجودہ آپشن میں یہی راستہ موجود ہے اور اسی سے دوسرے راستے نکلتے ہیں۔"[24]

جماعت اسلامی کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ اپنے قیام سے اب تک مذہب، سیاست اور جمہوریت کی مثلث کے درمیان تنے ہوئے رسے پر چلنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اس جماعت نے اپنے قیام کے وقت خود کو اُصولی اعتبار سے ایک دینی جماعت قرار دیتے ہوئے مغربی جمہوریت اور مغربی نظامِ سیاست دونوں کی بھرپور مخالفت کی، مگر ایسا موقف رکھتے وقت اُس کے بانیوں نے غالباً اس بات پر غور نہیں کیا کہ متحدہ ہندوستان میں انگریز کے دیے ہوئے دائرہ کار میں جماعت سازی بذات خود ایک ایسا سیاسی عمل تھا جو مغرب سے مستعار لیا گیا تھا۔ اگرچہ جماعت نے داخلی اعتبار سے جمہوری قدروں کو اپنانے کی کوشش کی لیکن خارجی طور پر اقتدار کے حصول کے لیے آمرانہ حکومتوں کا ساتھ دے کر جمہوریت کی نفی کی، وہ دین سے بے بہرہ سیاست کو حرام قرار دیتی رہی لیکن لاتعداد مواقع پر علاقائی یا صوبائی یا مرکزی سطح پر لبرل اور سیکولر جماعتوں اور لوگوں سے اتحاد کرکے اپنے ہی قائم کردہ معیار کی نفی کرتی رہی۔ اس نے اپنے تئیں اُصولوں کی بنیاد پر پاکستان میں فوجی آمروں کا ساتھ دیا اور پھر اُصولوں ہی کی بنیاد پر ان فوجی آمروں کے خلاف تحریکوں میں بھی حصہ لیا۔

تجزیہ وخلاصہ:

---

23 انٹرویو: جناب محمد حسین محنتی، نائب امیر جماعت اسلامی، صوبہ سندھ، جون، 2015ء

24 ایضاً۔

مندرجہ بالا بحث کے نتیجے میں یقینی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ جماعت اسلامی داخلی اعتبار سے پاکستان کی تمام سیاسی جماعتوں میں سب سے زیادہ جمہوری اور مکمل و مربوط نظام کی حامل جماعت ہونے کے باوجود اپنی ہیئت اور طرز عمل میں کبھی بھی ایک جمہوری جماعت نہیں تھی البتہ یہ ایک بھرپور سیاسی جماعت ضرور رہے جسے کامیاب سیاسی جماعت کہنا تاریخی حقائق کے منافی ہوگا۔ اگر جماعت اسلامی کی تشکیل یا ابتدا کو یورپ و امریکہ کی سیاسی جماعتوں کے حوالے سے پیش کردہ نظریات کے تناظر میں دیکھیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ مغرب کی پیش کردہ کوئی بھی تھیوری جماعت اسلامی کے قیام پر پوری اُترتی نظر نہیں آتی۔ خواہ وہ طبقاتی کشمکش کی تھیوری ہو یا معاشی نظریہ، اس لیے کہ ان تمام نظریات میں ہمیں کہیں بھی وہ وجوہات نظر نہیں آتیں جو جماعت اسلامی کے بانی اس جماعت کے قیام کے حوالے سے بتاتے ہیں۔ اور نہ ہی جماعت اسلامی کے قیام کے وقت کسی بھی طرح کا کوئی سیاسی خلا تھا اس لیے کہ اگر ہندوستان میں مذہبی اقدار کی حفاظت کا مسئلہ دامن گیر تھا تو اس کے لیے کہیں زیادہ موثر اور متحرک جماعت یعنی جمعیت علمائے ہند پہلے ہی سے موجود تھی۔ اگر ہم جماعت اسلامی کے قیام کے حوالے سے جماعت کے بانی مولانا مودودی کی پیش کردہ توجیہ کو درست مان لیں جس میں اُنہوں نے کہا تھا کہ "ہمارا مقصد یہ تھا کہ اسی وقت سے ایک ایسے منظم اور تربیت یافتہ گروہ کو تیار کرنا شروع کردیا جائے جو اس برِاعظم میں اسلام کے لیے کام کرنے کے قابل ہو، اگر خدانخواستہ مسلمان تقسیمِ ملک کی جدوجہد میں ناکام ہو جائیں تو یہ گروہ اس ناکامی کے خوفناک نتائج کا مقابلہ کرنے کے لیے موجود رہے اور اگر ملک تقسیم ہو جائے تو ہندوستان اور پاکستان دونوں میں یہ گروہ اسلام کا علم بلند کرنے کے لیے تیار رہے"۔[25] جبکہ جماعت اسلامی کے قیام کا دوسرا مقصد بیان کرتے ہوئے مولانا مودودی کہتے ہیں کہ "پاکستانی تحریک کی رہنمائی جس قسم کے لیڈر کر رہے ہیں اگر انہی کی رہنمائی میں پاکستان قائم ہو تو اس کو ترکی کی طرح ایک لادینی ریاست بننے سے بچانے اور ایک حقیقی اسلامی ریاست بنانے کے لیے کیا تدبیر کی جاسکتی ہے"۔[26] اس طرح بیان کردہ ان دونوں مقاصد سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ جماعت اسلامی ایک ایسے ملک کو چلانے یا حکمرانی کے مکمل پروگرام کے تحت تشکیل دی جارہی تھی جس کے قیام کی جدوجہد میں یہ جماعت قطعاً اپنا حصہ نہیں ڈالنا نہیں چاہتی تھی۔ اس نقطہ نظر کی روشنی میں اس جماعت کے قیام کا پس منظر سیاسی جماعتوں کے مسلمہ اُصولوں میں سے کسی سے مطابقت نہیں رکھتا، البتہ اس تناظر میں اس کے لیے ماہرین سیاسیات کوئی نیا نظریہ ضرور تخلیق کر سکتے ہیں۔

---

[25] آباد شاہ پوری، تاریخ جماعت اسلامی، حصہ اول، پس منظر و تاسیس '(لاہور: ادارہ معارف اسلامیہ، منصورہ، نومبر 1989ء)، ص512۔

[26] ایضاً۔